OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 5, Issue 4 (October-December 2022)

مختلف امور میں مشاورت کی ضرورت اور تقاضے: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک مطالعہ

Need and Requirements of Consultation in Various Matters: A Study in the Light of Islamic Teachings

Dr. Hafiz Muhammad Hafeez Tahir
Assistant Professor of Islamic Studies, Lahore Leads University Lahore
Dr. Asmat Ullah
Professor, Department of Islamic Studies, Lahore Leads University Lahore
Rabia Aslam
M.Phil. Department of Islamic Studies, Lahore Leads University

Abstract

Muslims today are suffering from various problems in the different spheres of life and society like politics, economy, family life etc. Their thoughts and ideas are scattered. They find no solution in many cases. In this situation mutual consultation becomes more important. This paper studies the need and requirements of consultation in various matters in the light of Islamic teachings. It argues that consultation is very important in all those matters, in which the rulings of the *Sharī'ah* are not clear. In present age, Muslims are in dire need of such consultative committees that can guide them to solve problems after advising them on various issues. This strategy can solve many of their problems.

Keywords: Muslims, issues, consultation, requirements

تمہید

ہر آنے والا وقت یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کی ضرورتوں کا لحاظ رکھا جائے تاکہ مسائل سے بچا جا سکے۔ مذہبی و دینی موجودہ صورت حال سے نکلنے کے لئے ایک ہی راستہ ہے وہ ہے تمسک قرآن و تمسک سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں استنباط کے ذریعے سے اس زوال کے حل کے لئے اقدامات کئے جائیں تاکہ عصر حاضر کی ضرورتوں کو قرآن و سنت کی روشنی میں پورا کیا جا

CC BY

سکے۔ دین اسلام کی تعلیمات اور اسوۂ رسول ﷺ کا جائزہ لیا جائے تو وہ ہر ہر دور کے تقاضوں کے مطابق ہیں، آپ ﷺ کی ذات گرامی میں دیگر تمام پہلوؤں کی جامعیت کے ساتھ نمایاں ترین پہلو ئی سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کے حوالے سے انقلابی جدوجہد کا ہے۔ قرآن حکیم کی شکل میں آپ ﷺ پر نازل ہونے والا پیغام الہی، بلاشبہ ایک انقلابی پیغام تھا۔ اسی کی تعلیمات کی روشنی میں آپ ﷺ نے ایک اولوالعزم جماعت صحابہؓ بنا کر انسانیت میں ایک عالمگیر انقلاب کی داغ بیل ڈالی پھر آپ ﷺ کے بعد جماعت صحابہ کرامؓ کی عظیم الشان قربانیوں اور ان کی اجتماعی جدوجہد نے دین کے اس انقلابی پیغام کو پوری دنیا میں غالب کرنے کے لئے بڑا روشن کردار ادا کیا۔ خصوصاً خلفاء الراشدین جنہوں نے نئے منہج پر انسانی سماج کی تشکیل کے لئے انقلابی قوانین، سیاسی نظام حکومت، اقتصادی اور معاشی نظام قائم کیے اور رہتی دنیا تک نمونے کا معیار نظام زندگی قائم کر کے عالم دنیا پر آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ لازول نقوش ثبت کیے۔ مشاورتی امور اور عصر حاضر کی تمام ضرورتوں کا شافی حل شریعت اسلامیہ میں ضرور موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۔[1] "بعد اس کے خداہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے۔ اور اگر آپ تند خو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے سو آپ ان کو معاف کر دیجئیے اور آپ ان کے لیے استغفار کر دیجئیے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئیے۔ پھر جب آپ رائے پختہ کر لیں۔ تو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجئیے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔ " مطلب یہ ہے کہ فرائض بعثت ورسالت ادا کرنے اور گمراہوں کو ہدایت کرنے اور راہ راست پر لانے کے لئے ملاطفت، نرم خوئی، درگزر اور حسن اخلاق کی ضرورت ہے۔ تاکہ ناواقف حسن اخلاق اور ملاطفت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت اور ارشادات سے متمتع ہو کر پختہ کار مسلمان ہو جائیں اور اسکے برخلاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق میں نرمی نہ ہوتی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت دل ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں شفقت علی الخلق کوٹ کوٹ کر نہ بھری ہوتی تو یہ مقبولیت عامہ اور یہ جان نثاری نہ ہوتی جب لوگ یہ دیکھتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مثل اور انسانوں کے معاملہ فرماتے برائی کا بدلہ بُرائی سے دیتے ہیں درگزر فرمانا اور اپنے اوپر تکلیف اٹھانا نہیں جانتے تو اول تو اس قسم کی گرویدگی حاصل ہی نہ ہوتی اور نہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہوتے اور بعثت کا مقصود حاصل نہ ہوتا اور جب یہ بات ہے تو آپ کے حقوق اللہ میں جو کمی واقع ہو اس کے بارے استغفار کرنا چاہیے اور ان سے معاملات میں مشورہ کرتے رہنا چاہیے۔ ارشاد مذکورہ بالا سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ رضوان اللہ عنھم اجمعین سے مشورہ فرمانے کا حکم ہے اور یہیں سے مشورہ کے منجملہ ضروریات ہونے کی تنقیح بھی ہو گئی کہ جب خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کی وجہ سے مستغنی تھے۔ یہ حکم ہے تو مسلمانوں کا اور کوئی فرد خواہ کسی درجہ ورتبہ کا ہو کیسے حکم سے مستغنی ہو سکتا ہے ہر شخص کے ذمہ ہے کہ تمام ایسے امور کے اندر جن میں صواب وخطاء میں اشتباہ ہو مشورہ کرے۔

جماعتی نوعیت کے جن امور کے متعلق قرآن وسنت میں واضح تصریح موجود نہ ہو امت مسلمہ ان پر آزادانہ رائے زنی کے ذریعے فیصلہ کرے۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: مَاخَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ "جس نے استخارہ کیا وہ ناکام نہیں ہوا اور جس نے مشورہ کیا وہ شرمندہ نہ ہوا۔[2] اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے: اَلْمَشْوَرَةُ حِصْنٌ مِنَ النَّدَامَةِ وَ أَمْنٌ مِنَ الْمَلَامَةِ "مشورہ شرمندگی سے بچاؤ کا قلعہ ہے اور ملامت سے مامون رہنے کا ذریعہ ہے۔[3] اس سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ عقل کی رو سے درصورت اختلاف آراء اصل فیصلہ قوت دلیل پر

ہو گا اگر چہ یہ قوت کسی ایک رائے کو بمقابلہ بہت سے آراء کے حاصل ہو۔ لیکن درصورت یہ کہ قوت رائے معلوم کرنے کا کوئی میعار ہمارے پاس نہ ہو تو اس وقت قوت کی علامت کثرت رائے عقلاء ہے۔ اور کثرت رائے کے حق میں فیصلہ دینا حقیقتاً قوت دلیل ہی کی بناء پر ہو گا۔ اسی ضمن میں ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں: "گویا اس لفظ کے استعمال سے جو پیغام ملتا ہے وہ یہ ہے کہ جب شوریٰ کا عمل اپناؤ تو اس طرح کی تدابیر اور طریقہ کار اختیار کرو کہ ہر فرد کے پاس جو حکمت و عقل اور دانائی ہے ایک ایک سے وہ دانائی حاصل کر لو پھر ان تمام انفرادی دانائیوں کو اس طرح سے ایک ملکی اور ملی شفا بنا دو کہ اس میں پوری امت کے لیے رہنمائی ہو۔"[4] جب یہ معلوم ہو گیا کہ تمدن کا لازمی جزو استشارہ و مشاورت ہے عالم کی اصلاح کا مدار اسی پر ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ شریعت اسلامی نے جو انسان کی ہر حالت میں رہبر اور ہر قسم کی فلاح و بہود کی متکفل ہے اس مسئلہ کی نسبت کیا حکم دیا ہے اور اس کی خوبیاں کس حد تک ذہن نشین کی ہیں اس بارے میں اول نصوص قرآنی اور پھر روایات احادیث اور پھر اقوال صحابہ وسلف امۃ مرحومہ سے وضاحت کی جائے گی۔ اصول فقہ کے ماہر فقیہ عبد الکریم زیدان لکھتے ہے: "سربراہ ریاست جب مشاورت کے حکم پر عمل کرنا چھوڑ دے تو اس کو اقتدار سے ہٹا دینا چاہیے، مشاورت اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اصل اختیارات امت مسلمہ کے پاس ہے، اور سربراہ حکومت کا وکیل ہے خود مختار اور مطلق العنان نہیں ہے۔[5] مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں اس بارے میں قرآن کریم کے ارشادات مذکورہ اور احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ:"ہر ایسے معاملہ میں جس میں آراء مختلف ہو سکتی ہیں، خواہ وہ حکم و حکومت سے متعلق ہو یا کسی دوسرے معاملہ سے باہمی مشورہ لینا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت اور دنیا و آخرت میں باعث برکات ہے، قرآن و حدیث میں اس کی تائید آئی ہے، اور جن معاملات کا تعلق عوام سے ہے جیسے معاملات حکومت ان میں مشورہ لینا واجب ہے۔"[6] مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:"شوری سے مشورہ لینے کی ضرورت صرف خلیفہ کے تقرر ہی کے لیے نہیں ہے، بلکہ خلیفہ بن جانے کے بعد کاروبار حکومت چلانے میں بھی خلیفہ کا فرض ہے کہ شوری کے اصول پر کام کرے، اور مشورے سے حکومت چلائے، یہ بات امام کے ذمہ واجب ہے، یہاں تک کہ فقہاء کرام نے یہ فرمایا ہے، اگر کوئی امام حکومتی امور میں مشورہ نہ کرے تو وہ اس کی وجہ سے معزولی کا مستحق ہے اور یہ بات خود قرآن کریم نے واضح فرمائی ہے۔ ارشاد ہے وشاورہم الخ۔"[7] ارشاد باری تعالیٰ ہے:"ھوالذی ارسل رسوله باالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کله ولو کرہ المشرکون"۔[8] ۔وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے، خواہ اس سے مشرکوں کو اس سے برا ہی لگے"" دین حق کا غلبہ دلیل نبوت ہے قول باری ہے "لیظھرہ علی الدین کلة تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کردے "حدیث نبوی ﷺ ہے:"الاسلام یعلو ولا یعلیٰ"[9] ۔جس کا مفہوم یہ ہے کہ "اسلام غالب ہونے کے لئے آیا ہے مغلوب ہونے کے لئے نہیں۔" مومن، زمانے کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا ہے اور جو زمانے کے تقاضوں سے آگاہ نہ ہو اسے فقہاء جہالت مآب قرار دیتے ہیں۔"من لم یعرف احوال زمانه فھو جاھل"[10] "جو اپنے زمانے کے احوال سے آگاہ نہ ہو، وہ جاہل ہے' حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:ان اللہ عزوجل یحدث للناس اقضیه یحسب زمانھم واحوالھم[11] ۔"اللہ تعالیٰ لوگوں کے فیصلے ان کے زمانے اور احوال کے مطابق کرتا ہے۔" ان مسائل کو لازمی حل کرنے میں غور و فکر کو دخل دینا پڑے گا ۔جس طرح فقہائے کرام نے اپنے اپنے زمانے کے مسائل حل کرنے میں دخل دیا تھا۔ اور اسی طرح طعن و تشنیع کو برداشت کرنا پڑے گا۔ جس طرح آئمہ کرام نے کیا تھا۔ مومن زمانے کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا ہے، بدلتے ہوئے حالات وادوار کے تقاضوں کے مطابق انسانی ذہنیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے سلجھے ہوئے افکار و خیالات اور نظریات کا شعور دینا، شعوری طور پر افکار اور تعلیمات کے مطابق نئی سماجی تشکیل کے لئے حکمت عملی اور پروگرام تشکیل دینا اور اس کے لئے جانی و مالی قربانی پیش

کرنا عصر جدید میں انقلابی جدوجہد کہلاتا ہے۔ ہر وہ فرد اور جماعت انقلابی کہلاتی ہے جو ہر آنے والے نئے دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے نئی سیاسی، سماجی اور عمرانی تشکیل کے لئے بھرپور انقلابی کردار ادا کرتی ہے۔ یہ انقلابی عمل انسانی معاشروں میں تبدیلی کی ایک نئی لہر پیدا کرتا ہے جو سوسائٹی کی سماجی تشکیل کو نئے اسلوب اور منہج پر ڈال دیتی ہے۔ دنیا بھر کی اقوام میں آنے والے انقلابات اسی حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال عصر حاضر میں فکری جمود اور اس کے حل کے متعلق فرماتے ہیں کہ: "فکر و عمل کا اختلال تب ہی رفع ہو گا جب ہر مرحلہ ارتقاء پر متغیر اقدار کو از سر نو اقدار کاملہ سے ہم آہنگ کیا جاتا رہے گا۔ چونکہ آج کا مذہبی ذہن اس وظیفہ کی آدائیگی سے معذور ہے سوا اس کے کہ قرآن سے بے یقینی کے سوا کچھ نہیں مل رہا۔"[12] اللہ تعالیٰ کو یہ مطلوب ہے کہ اس کا دین سربلند ہو۔ اس کو دنیا میں غالب فکر کا مقام حاصل ہو، مگر دین کے فکری غلبہ کے لئے عالمی حالات کی موافقت ضروری ہے، خدا نے ہزاروں سال کے عمل سے پیغمبر آخر الزمان کے لئے موافق حالات پیدا کئے۔ آپ ﷺ نے ان حالات کو جانا اور ان کو حکیمانہ طور پر استعمال کر کے اسلام کو دنیا میں غالب فکر کا مقام عطا کیا۔"[13] ہر دور میں حالات کے پیش نظر، فطرت کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اہل علم اور صاحب بصیرت میدان عمل میں آتے رہے جنہوں نے زمانے کی تند و تیز ہواؤں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے علم و فکر کے چراغ جلا کر ملت بیضا کی شیرازہ بندی کی۔ ہر اصلی چیلنج کے وقت علم و تحقیق کو جمود و تعطل کی تنگ و تاریک خانوں سے نکال کر اسے عصر رواں کے ساتھ متعارف کرواتے رہے۔ اس طرح علم اور حالات کے تقاضوں میں توازن پیدا ہوتا رہا اور دنیاوی علم جو پہلے بے اثر ہو چکا ہوتا تھا ہمیشہ دینی اقدار کی حفاظت اور تہذیب و ثقافت کے احیاء کا ضامن بنتا رہا۔ تاریخ اسلام میں جب بھی کوئی ایسا دور آیا اللہ نے فوراً کسی ایسے شخص کو متعین کیا جس نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اسلامی تہذیب کو نئے افکار سے ہم آہنگ کر دیا۔ عصر حاضر میں چند پہلوؤں پر کام کرنے کی ضرورت ہے جو کہ حسب ذیل ہیں:

مشاورتی امور اور عقائد

موجودہ دور کو اگر شکوک و شبہات اور مغالطے کے عروج کا دور کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کیونکہ موجودہ غالب تہذیب نئے مذہب کی پیش خیمہ ثابت ہوئی اور اس آمدہ مذہب نے جو دراصل لا مذہبیت ہے (Atheist) اس نے مسلمانوں کے عقائد کی بیخ کنی کرتے ہوئے انہیں شکوک و شبہات میں ڈال دیا۔ اکٹر علامہ محمد اقبال اس کی طرف توجہ دلاتے ہیں:

زندہ قوت تھی جہاں میں یہاں توحید کبھی
آج کیا ہے، فقط مسئلہ کلام[14]

لیکن اب سوال یہ ہے کہ مشورہ کہاں اور کن چیزوں میں کیا جائے؟ اس سلسلہ میں یاد رکھنا چاہیے کہ جن امور میں شریعت کا فیصلہ متعین ہے کہ یہ چیز فرض ہے یا واجب ہے یا حرام یا مکروہ ہے، ان امور میں مشورہ کی ضرورت نہیں؛ بلکہ جائز بھی نہیں ہے، جیسے کوئی شخص یہ مشورہ کرے کہ نماز پڑھے یا نہیں، زکوٰۃ دے یا نہیں، حج کرے یا نہیں، یہ چیزیں مشورہ کی نہیں ہیں، ان کے لیے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم متعین ہے کہ ان کا کرنا ہر حال میں ضروری ہے یا اسی طرح جن چیزوں کو شریعت نے منع کیا ہے، جیسے زناکاری، شراب نوشی، ڈاکہ زنی وغیرہ ان میں بھی مشورہ کی حاجت نہیں، ان سے تو بہر حال رکنا لازمی ہے؛ البتہ طریق کار کے بارے میں مشورہ کیا جاسکتا ہے، جیسے حج میں جانے کے لیے مختلف راستے ہیں، بعض پُر امن ہیں اور بعض میں خطرہ ہے، تو اس موقع پر تجربہ کار افراد کی رائے معلوم کی جاسکتی ہے کہ ان مختلف راستوں میں اس کے لیے کون سا راستہ بہتر ہو گا، یا اسی طرح ایک شخص مریض ہے اس کو تردد ہے کہ مجھ کو اس حالت میں تیمم کی اجازت ہے یا نہیں، اس بارے میں اطباء یا تجربہ کاروں سے مشورہ کر سکتا ہے، اسی طرح وہ احکام و مسائل جن کے بارے میں قرآن و حدیث، اقوالِ صحابہ یا سلف کی کتابوں

میں کوئی صراحت نہیں ہے، جدید اور نئے زمانہ سے ان کا تعلق ہے، ان میں مشورہ کرنا نہ صرف جائز؛ بلکہ اربابِ فقہ اور صاحبِ نظر علمائے دین سے ان کے بارے میں پوچھنا اور حکم شرعی معلوم کرنا واجب ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا حکم صراحتاً قرآن میں نازل نہیں ہوا اور آپ سے بھی اس کے متعلق کوئی ارشاد ہم نے نہ سنا ہو تو ہم کیا کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسے کام کے لیے اپنے لوگوں میں سے عبادت گزار فقہا کو جمع کرو اور ان کے مشورہ سے اس کا فیصلہ کرو، کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو۔[15]

رائے رکھنے کا طریقہ

رائے کو اس طرح لاکر رکھیں کہ مشورہ سے عطا ہو جائے جو میں چاہتا ہوں۔ دوسرا یہ کہ جو صورت حال ہے اس کو لاکر رکھ دو اس پر جو ذمہ دار طے کریںگے اس پر عمل کرنا ہے۔ جذبات والی رائے قبول نہیں کی جائے گی اس لئے کہ جذبات والے رائے میں سو فیصد خسارا ہے۔ مشورے میں اتنی رائے لے اتنی رائے لے کے رائے کی گنجائش نہ رہے۔ رائے کی کثرت اختلاف نہیں ہے، بلکہ رائے کی کثرت اور رائے کو نکھارنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صائب الرائے کون ہو سکتا ہے؛ لیکن چوں کہ مشورہ تھا؛ اس لیے حضرت بریرہ کے نہ ماننے پر آپ نے کسی طرح ناراضگی ظاہر نہیں کی، موجودہ دور کے لیے یہ حدیث بڑی سبق آموز ہے، ذاتی رائے کو عام لوگوں پر مسلط کرنے کا مزاج عام ہو گیا ہے، جس کے سبب بدنظمی اور بدعنوانی کا ہر طرف ایک سیلاب ہے۔ اپنی رائے کو محض ایک معمولی رائے سمجھنا چاہیے، نہ کہ قولی فیصلہ؛ تاکہ مشورہ کا حقیقی فائدہ حاصل ہو سکے۔

مشاورتی امور اور اہلیت

مشورہ ہمیشہ ایسے شخص سے کرنا چاہیے جس کو متعلقہ معاملے میں پوری بصیرت اور تجربہ حاصل ہو؛ چنانچہ دینی معاملات میں ماہر اور صاحبِ نظر عالمِ دین سے مشورہ کرنا چاہیے اور کسی بیماری اور جسمانی صحت کے بارے میں کسی اچھے ڈاکٹر کا انتخاب ہی مفید ہو گا۔ غرض جس طرح کا معاملہ ہے، اسی فن کے ماہرین اور تجربہ کار کا انتخاب کیا جائے؛ کیوں کہ تجربہ کے بغیر صرف عقل کامیابی سے ہمکنار نہیں کر سکتی، گویا مشورہ لینے کے لیے عقل اور تجربہ دونوں کا بیک وقت موجود ہونا نہایت ضروری ہے۔ ایک دوسرے کے بغیر صحیح رہنمائی نہیں مل سکتی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: اِسْتَشِيْرُوْا ذَوِي الْعُقُوْلِ تُرْشَدُوا وَ لَاتَعْصَوْہُمْ فَتَنْدَمُوا۔ "[16] عقلمندوں سے مشورہ کرو، کامیابی ملے گی اور ان کی مخالفت نہ کرو ورنہ شرمندگی ہوگی۔" حضرت عبداللہ بن الحسن نے اپنے صاحبزادہ محمد بن عبداللہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا: "جاہل کے مشورہ سے بچو اگرچہ کہ وہ خیر خواہ ہو جیسا کہ عقلمند کی دشمنی سے بچتے ہو۔[17] کسی میں اگر عقل اور تجربہ نہیں ہے تو وہ مشورہ کا اہل بھی نہیں ہے، اگر اس سے مشورہ کیا جائے تو پہلے وہ مشورہ ہی کیا دے گا اور اگر مشورہ دے گا بھی تو اس مشورے سے کیا فائدہ؛ اس لیے مشورہ کے لیے عقلمند، ماہر اور تجربہ کار ہونے کی شرط لگائی گئی ہے۔ اسلام کی شورائیت اور موجودہ جمہوریت میں یہی بڑا فرق ہے کہ شورائیت کا تعلق اہلیت سے ہے اور جمہوریت کا اکثریت سے، جس پارٹی کو اکثر لوگوں نے منتخب کر لیا وہی حکمرانی کا حق دار ہے، چاہے ووٹ دینے والے پاگل اور دیوانہ ہی کیوں نہ ہوں، یہی وجہ ہے کہ جمہوری نظام ایک تباہ کن نظام ہے، عقل و خرد سے اس نظام کا کوئی واسطہ نہیں ہے، اسلام نے اپنا نظام شورائیت پر رکھا ہے، یعنی ماہرین، تجربہ کار اور عقلمندوں کے مشورے سے کوئی فیصلہ صادر کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضراتِ شیخین، صدیق اکبر اور فاروقِ اعظم کی رائے کو جمہور صحابہ پر فوقیت دیتے اور آپ ان دونوں حضرات سے مخاطب ہو کر فرماتے: لَواجْتَمَعْتُمَا فِيْ مَشْوَرَةٍ

مَاخَالَفْتُکُمَا۔ "جب تم دونوں کسی رائے پر متفق ہو جاؤ تو میں تم دونوں کے خلاف نہیں کرتا۔"[18] معلوم ہوا کہ محض کثرت کا شریعتِ اسلامی میں کوئی اعتبار نہیں، قوتِ عقل و بصیرت اہم چیز ہے۔

معاملات اور عصر حاضر کے تقاضے

دینی معاملات: میں دو قسم کے معاملات شامل ہیں ایک وہ جن میں وحی آچکی دوسرے وہ جن میں وحی نہیں آئی۔ پھر جن معاملات میں وحی نہیں آئی ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول وہ جن میں مشورہ کے بعد وحی نازل ہوئی دوسری وہ جن میں مشورہ پر عمل کیا گیا اور وحی نازل نہ ہوئی گو کسی معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو جائز و برقرار رکھنا بھی وحی کے حکم میں داخل ہے۔ کیونکہ کسی غلط رائے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استقرار و قیام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یا حکم عین منشاء خداوندی کے مطابق تھا اور اس کو وحی حکمی یا وحی باطنی کہتے ہیں۔ معاملات دنیاوی میں بالاتفاق مشورہ جائز ہے۔ معاملات دینی میں مشورہ کی ضرورت نہیں کیونکہ ان میں وحی نازل ہو چکی ہے۔ دینی معاملات جن میں وحی نازل نہیں ہوئی مشورہ کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے معاملات میں بھی بغرض تعین حکم ورائے مشورہ کی اجازت نہ تھی بلکہ وحی کا انتظار کرنا چاہیے اور اکثر کا مذہب یہ ہے کہ ایسے معاملات میں مشورہ کی اجازت تھی۔

مشاورتی امور اور عورت کے کردار کے تقاضے

اسلام نے عورت کو معاشی، سماجی اور قانونی حقوق دے کر با اختیار بنایا ہے جس کی کوئی مثال دنیا میں کسی اور تہذیب میں نظر نہیں آتی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں خواتین ممبر پارلیمنٹ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک بار مدینہ کی پارلیمنٹ میں کہا گیا کہ خواتین کی شادی کے وقت جو حق مہر مقرر کیا جاتا ہے اس کی حد مقرر کی جائے۔ پارلیمنٹ کی ممبر ایک خاتون نے کھڑے ہو کر بل کو چیلنج کر دیا اور کہا کہ جب اللہ نے حد مقرر نہیں کی تو آپ کیسے کر سکتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عورت کے اس نقطہ نظر پر اس سے ثبوت مانگا تو اس پر اُس عورت نے قرآن کی یہ آیت مبارک بیان کی: وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّکَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا۔[19] "اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو، اور تم اسے ڈھیروں مال بھی دے چکے ہو، تو تم اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو، کیا تم اسے واپس لو گے بہتان اور (بڑے اور) کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے؟" اس عورت نے کہا کہ قرآن کے یہ الفاظ "ڈھیروں مال" اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حق مہر کی کوئی حد مقرر نہیں۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: أخطأ الرجل والمرأة أعطت الرأي الصحيح"[20] مرد خطا کر بیٹھا اور عورت نے صحیح رائے دی) اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا بل پارلیمنٹ سے واپس لے لیا۔

احوال معاشرہ اور عصری تقاضے

موجود معاشرے کے حالات واقعات آئندہ نسلوں کے عقائد و نظریات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، مسلم معاشرے کی موجودہ حالت اور اخلاقی بحران اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کی تجدید نو ہو اور مسلمان بجائے اس کے دوسری اقوام سے اجتماعی زندگی گزارنے کے ان کو اسلامی عمرانی اصولوں سے واقفیت کروائی جائے اور مشاورتی امور کو بروئے کار لایا جائے۔

اصلاح رسوم اور عصر حاضر کے تقاضے

مسلم معاشرہ خصوصاً برصغیر کے مسلمانوں کا رہن سہن ہندو مت کے ساتھ گزرا، اس کے اثرات مسلمانوں کے معاملات پر بھی پڑے اور پختہ ہوتے چلے گئے، اب حالت یہ ہے کہ وہ اسلامی "اصول زندگی" کی جگہ لے چکے ہیں یا پھر اسلامی "اصول

زندگی" اور ہندو رسومات برصغیر کے مسلمانوں کا ایک اہم عنصر بن چکے ہیں اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنا ایک عام فرد کے لئے ممکن نہیں رہا۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے نقطہ نظر کو ذریعے مشاورتی امور کو بروئے کار لایا جائے تا کہ معاشرے کی اصلاح احسن طریقے سے ہو سکے۔

نظام معیشت اور عصر حاضر کے تقاضے

پہلے ادوار میں تجارت کا موجودہ انداز نہ تھا۔ ہر شخص اپنی محنت اور سرمائے سے کام کرتا تھا، اس لئے حق و انصاف کا تقاضا تھا کہ سود کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ چنانچہ اہل مذہب نے اسے حرام قرار دیا۔ لیکن فی زمانہ دوسروں کا پیسہ ادھار لے کر نفع بخش کاموں میں لگانے کا ایک جامع نظام وجود میں آچکا ہے۔ اگر یہ نہ کیا جائے تو وسیع پیمانے پر اشیاء کی پیدائش کا انتظام ممکن نہیں ۔اس مسئلہ کو جب تک صحیح طور پر حل نہ کیا جائے اور اس کا مناسب حل پیش نہ کیا جائے تو اس وقت تک مذہب کی دعوت لوگوں کے لئے کشش نہ رکھے گی۔ اور صرف یہ کہتے رہنا کہ سود حرام ہے اس سے لوگوں کو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا ۔جب تک اس کی برائی نہ بتائی جائے۔ مثلاً کساد بازاری، بے روزگاری، منافرت وغیرہ۔ عوام کو یہ باور کرانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مغرب کی معاشی نظام کی جو خامیاں ہیں وہ بتائی جائیں اور پھر مشاورتی امور کے ذریعے سے اسلام کے نقشے کے مطابق تشکیل کردہ معاشی نظام کی حقانیت کو واضح کیا جائے۔

نظام عدل اور عصر حاضر کے تقاضے

عدل انسانی زندگی کی روانگی میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے اگر اس میں خرابی ہو تو معاشرہ کسی طور بھی ان کا گھوارہ نہیں بن سکتا، اس وقت عدالتی نظام میں بہت سی ایسی خرابیاں جو مذہب کی آڑ میں ہو رہی ہیں ان میں تجدید کی ضرورت ہے مثلاً خلع ،طلاق اور جائیداد کے معاملات انتہائی عجیب نوعیت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق صرف لاہور میں ایک سو بیس فیصد عورتیں روزانہ کی بنیاد پر خلع لے لیتی ہیں بذریعہ عدالت جبکہ یہ معاملہ شرعی احکام کے بالکل برعکس ہے۔ ریاست و عدالت کی ذمہ داری ہے کہ وہ شوہر کو حاضر کر کے دونوں فریقین کے درمیان یہ معاملہ حل کروائے۔ ایسے قوانین کے لئے ضروری ہے کہ مشاورتی کمیٹی قائم ہو اور وہ اسلامی نقطہ نظر سے اقدامات کرے تا کہ عدالت کے جتنے بھی قوانین ہیں ان کو شرعی عدالت سے پاس کرانا ضروری ہو۔

عصری اشکالات اور عصرے حاضر کے تقاضے

عصر حاضر میں جن چیزوں نے اسلام کا اصل نقشہ دھندلا کر دیا، ان میں سے کچھ تو اپنی قدامت پسندی کی بنیاد پر دین کا ایک لازمی عنصر تصور کی جاتی ہیں، جیسے تصوف، تقلید اور فکری جمود اور اجتہاد کے دروازے کی بندش، حدیث کے معاملے میں مستند اور غیر مستند میں فرق نہ کرنا ،ہندی رسوم اور مشرقی روایات کے مذہبی ہونے کا تاثر۔ جبکہ جدید سائنسی و مغربی نظریات جیسے جمہوریت، سیکولرازم، قوم پرستی، اشتراکیت، صنعتکاری، مادہ پرستی، اخلاقی اقدار کے غیر مستقل ہونے کے تصور اور خاندانی نظام کے خاتمے نے نئی نسل میں اسلام کے متعلق بہت سی الجھنوں کو جنم دیا ہے۔ جدید ذہن کے شکوک و شبہات کا ازالہ روایتی مذہب کے بس کا روگ نہیں۔ ان سوالات کا جواب صرف وہی اسلام دے سکتا ہے جو روایت و درایت کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔ وہ اس چیز کی بھی ترغیب دیتا ہے کہ دو آدمی سفر میں ہوں تو ان کو باہمی مشاورت سے امیر کا چناؤ کر لیا جائے۔ چنانچہ مشاورتی کمیٹی کے قیام کی ضرورت ہے جو تمام عصری اشکالات کو مد نظر رکھتے ہوئے منزل کا تعین کر سکے۔ مشورہ ہمیشہ ایسے شخص سے کرنا چاہیے جسے متعلقہ معاملے میں پوری بصیرت اور تجربہ حاصل ہو، چنانچہ دینی معاملات میں ماہر اور صاحبِ نظر عالمِ دین سے مشورہ کرنا چاہیے اور کسی بیماری اور جسمانی صحت کے بارے میں کسی اچھے طبیب کا انتخاب ہی مفید ہو گا۔ غرض جس طرح کا معاملہ ہے، اسی فن کے ماہرین

اور تجربہ کار کا انتخاب کیا جائے، کیوں کہ تجربہ کے بغیر صرف عقل کامیابی سے ہمکنار نہیں کر سکتی، گویا مشورہ لینے کے لیے عقل اور تجربہ دونوں کا بیک وقت موجود ہونا نہایت ضروری ہے۔ ایک دوسرے کے بغیر صحیح رہنمائی نہیں مل سکتی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: عقل مندوں سے مشورہ کرو، کامیابی ملے گی اور ان کی مخالفت نہ کرو، ورنہ شرمندگی ہو گی۔

نتیجہ بحث

ہر آنے والا وقت یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کی ضرورتوں کا لحاظ رکھا جائے تاکہ مسائل سے بچا جا سکے۔ جب معاشرہ عقائد اور اخلاقی زوال کا شکار ہو جاتا ہے تو ایسے میں اس بگاڑ کی اصلاح کے لئے ایسے رجال کار یا باہمی مشاورتی کمیٹی کی ضرورت ہوتی ہے جو لمحہ موجود کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اصلاح معاشرہ کا فریضہ سر انجام دے سکے۔ مشاورتی امور اور عصر حاضر کی تمام ضرورتوں کا شافی حل شریعت اسلامیہ میں ضرور موجود ہے۔ جن امور میں شریعت کا فیصلہ متعین ہے کہ یہ چیز فرض ہے یا واجب ہے یا حرام یا مکروہ ہے، ان امور میں مشورہ کی ضرورت نہیں جیسے عقائد وغیرہ۔ جن چیزوں کو شریعت نے منع کیا ہے، جیسے زناکاری، شراب نوشی، ڈاکہ زنی وغیرہ ان میں بھی مشورہ کی حاجت نہیں۔ اسلام نے عورت کو معاشی، سماجی اور قانونی حقوق دے کر بااختیار بنایا ہے جس کی کوئی مثال دنیا میں کسی اور تہذیب میں نظر نہیں آتی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں خواتین ممبر پارلیمنٹ تھیں۔ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے جو ہر پیش آمدہ مسائل میں انسانی راہنمائی کرتا ہے اور اس بات کا تقاضا بھی کرتا ہے کہ ہر معاملہ میں ایک باہمی کمیٹی کی تشکیل ہو جو اسلامی نقطہ نظر کے مطابق فیصلہ کر سکے۔

References

[1] Al-Imrān 2:159.

[2]Abū al-Qāsim al-Tibrānī, *Al-Mu'jam al-Awsat* (Egypt: Maktabah al-'Ūlūm , 1974), 2:281.

[3]Abū al-Ḥasan Ibn Alī al-Māwardī, Adab al-Dunyā wa al-Dīn (Beirut: Maktaba Imān, 2006),1:277.

[4]Dr. Mehmood Ahmad Ghāzī, Muḥāzrāt-e-Fiqh (Lahore: Al-Faisal, 2013), 380.

[5] Abd al-Karīm Zaidān, 'Uṣūl al-Da'wah (Lahore: Al-Badr Publications, 2012), 129.

[6] Muftī Muhammad Shafī', Ma'ārif al-Qurān (Lahore: Maktaba Hasan, 2013), 2:219.

[7], Mufti Taqi Usmāni, Islam aur Siyāsī Nazriyātt (Karachi: Dār al-Ma'ārif,, 2017), 248.

[8] Al –Saff, 61:9.

[9] Jalāl al-Dīn al-Sayūtī, Al-Jām' al-Saghīr fI Ahādīth al-Bashīr, Hadith no: 2778.

[10]Qāzī Hassan Ibn Mansūr, Fatāwa Qāzī Khān (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, 2003),1:209.

[11] Imām Abd al-Wahāb Sherānī, Kitāb al-Mezān (Beirut: Dār al- 'Ilm,1925), 1:31.

[12] Allāma Dr. Muhammad Iqbāl, Khutba Alā Abād (Lahore: Iqbal Academy, 1998), 25.

[13] Mawlānā Waheed-ul-Deen Khān, Ihyā-e-Islam (Lahore: Maktaba Ashrafia, 2013), 83.

[14] Muhammad Iqbāl, Kullyāt-e- Iqbāl (Lahore: Iqbal Academy, 2013), 92.

[15] Muftī Muhammad Shafī', Ma'ārif al-Qurān 2:22.

[16] Qāzāi ,Abu Abdullāh,Māsnvd Shāhab (Beroot:Māktaba dar ul Turās 1956)673.

[17] Al-Hujāj , Muhāmmād Bin Al Abd ,Al Mudkhal ibn- e-Hujāj , (Beroot:Māktāba Dār Ul Turāth) ,4:29.

[18] Ahmad Ibn Ḥanbal, Musnad Ahmad, trans. Muhammad Zafar Iqbāl (Lahore: Maktaba Rahmānia, 2015), 2:35.

[19] Al –Nisā' 4:20.

[20] Muhammad Ibn Alī al-Shawkānī , Nail al-Awtār (Beirut: Dār Ibn Jawzī), 6:107.